عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی!!

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماہنامہ

غزالی

جمادی الآخر ۱۴۳۹ھ / مارچ ۲۰۱۸ء

Reg No. P476

جلد: شش دھم

شمارہ: ۷

فہرست

فی شمارہ : -/20 روپے

سالانہ بدل اشتراک : -/250 روپے

ملنے کا پتہ : پوسٹ آفس بکس نمبر 1015، یونیورسٹی کیمپس، پشاور۔

رسالہ جاری کروانے اور بذریعہ موبائل ترسیلِ زر کے لئے اس نمبر پر رابطہ کریں 0313 979 2537

تمام گزشتہ شمارے ویب سائٹ پر دستیاب ہیں۔

physiologist72@hotmail.com | www.darwaish.org | akhun82@gmail.com

عاصمہ جہانگیر

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد دامت برکاتہم)

بندہ کے ماتحت ایک نوعمر ڈاکٹر صاحب خیبر میڈیکل کالج کے اناٹمی ڈیپارٹمنٹ میں کام کیا کرتے تھے۔ انگلش میڈیم کے اعلیٰ سکولوں میں پڑھے ہوئے تھے۔ جدید طرز کے یعنی Modern خاندان سے تھے۔ آدمی اچھے تھے۔ انسانی حقوق کی این جی اوز میں کام کرتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ انھوں نے بندہ کو دعوت دی کہ پشاور یونیورسٹی میں انسانی حقوق کے لئے بہت زیادہ کام کرنے والی دانشور عاصمہ جہانگیر کی تقریر ہوگی۔ آپ بھی شامل ہو جائیں۔ شمولیت تو نہ ہوسکی لیکن نام ذہن میں رہ گیا۔

تھوڑے دنوں بعد ایک عجیب صورتِ حال سامنے آئی۔ بندہ کے ایک معزز مہربان ڈاکٹر صاحب جو کسی میڈیکل کالج میں ایک شعبے کے صدر (Head of Department) تھے، ان کے ڈاکٹر بیٹے کی شادی ان کے سالے کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ رنجشیں اور ناچاقیاں تو سارے گھروں میں ہوتی رہتی ہیں۔ صدرِ شعبہ صاحب کے بیٹے اور بہو میں رنجش کے حالات پیدا ہوئے۔ ناسمجھ بہو کو کسی نے بتایا کہ ایسے معاملات میں مشہور قانون دان عاصمہ جہانگیر عورتوں کے حقوق کے لئے خوب لڑتی ہے۔ لڑکی نے عاصمہ سے رابطہ کیا، اس نے لڑکی کو اپنے پاس بلا لیا۔ حالات سننے کے بعد لڑکی سے کہا کہ تمہارا نکاح ہی جبری ہوا ہے لہٰذا یہ نکاح ہی نہیں ہوا، اور ایک میجر کے ساتھ اس کا نکاح کرنے کا بندوبست کر لیا۔ لڑکی کا والد ایک معزز مسلمان پٹھان آدمی تھا۔ اپنے محافظ (Gunman) کو ساتھ لے کر لاہور پہنچا۔ عاصمہ جہانگیر کو اور بیٹی کو دہائی

دی، ان کے سامنے فریاد کی اور کہا بیٹی خدا کے لئے میرے ساتھ چلی جا، میں تجھے طلاق دلوا کر عزت، حیا اور اعزاز کے ساتھ بیاہ دوں گا۔

لڑکی کو عاصمہ جہانگیر نے ایسی پٹی پڑھائی ہوئی تھی (Brain Washing) کہ وہ باپ کی بات نہ سمجھ سکی۔ ہماری پٹھان ثقافت (Culture) کے واقف لوگ جانتے ہیں کہ کسی بھی معزز پٹھان کے ساتھ اس طرح کا واقعہ ہو جائے تو وہ اپنے ماحول اور برادری میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتا۔ یہ بھی ہمارے بارے میں مشہور ہے کہ ایسے موقعے پر چند منٹ کے لئے ہمارے پٹھانوں کا دماغ کام نہیں کرتا۔ شدید غصے سے حوش و ہواس کھو کر باپ نے محافظ کو کہا: کرو فائر میری اس بیٹی پر۔ اس نے فائر کیا اور لڑکی ڈھیر ہو گئی۔ عاصمہ نے اپنے محافظ سے خان صاحب کے محافظ پر فائر کروایا اور اسے وہاں ڈھیر کر دیا۔ چونکہ کیس کا فوراً موقعے پر فیصلہ ہو گیا، خان صاحب واپس آئے اپنی عمر کے بڑے بوڑھے اور سفید ریش حضرات کا ایک جلوس (Walk) گورنر ہاوس تک کروایا۔ مزید معلومات پر اس طرح کے گھر اجڑنے کے کئی واقعات معلومات میں آئے۔ واقعی ہمارے دین و مذہب اور ثقافت و رواج کے خلاف جب این جی اوز کام کریں گی تو ایسے ہی نتائج سامنے آئیں گے۔

نوٹ: اسلام میں عورت کو نکاح کے بارے میں بالکل آزادی دی گئی ہے۔ اس کے منظور کئے بغیر اور ہاں کہے بغیر اس کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ بوقت نکاح اگر عورت نے نا کہہ دیا اور انکار کر دیا تو اس کا نکاح اس کا والد یا اور کوئی آدمی نہیں کر سکتا۔ اس وقت اگر عورت خاموش رہی اور اس نے واضح نا نہ کیا تو نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ یہ پھر خاوند کے طلاق دینے پر ہی ختم ہوتا ہے یا عدالتی چارہ جوئی کر کے عورت کے خلع لینے سے ختم ہوتا ہے۔

ملفوظاتِ شیخ ۔ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہ (قسط۔۹۳)

(ظہورالٰہی فاروقی صاحب، پشاور)

حق پر جمنا:

فرمایا کہ میرا ایک مرید ہے جو کہ ایک محکمے میں افسر ہے، کہتا ہے کہ جب دفتر میں کوئی انٹرویو بھرتیاں (Appointments) وغیرہ ہوتی ہیں تو میں اس میں نہیں بیٹھتا کیونکہ وہ ظلم اور ناحق کرتے ہیں، ایک کا حق دوسرے کو دیتے ہیں، اس میں اگر میں بیٹھتا ہوں تو پھر ایسے ہی جھگڑا بنتا ہے۔ ایک دفعہ میرے ڈسٹرکٹ انچارج نے کہا کہ ایک ٹیسٹ لینا ہے، اس کی تم نگرانی کرو، پھر اس سے ہم لوگ بھرتی کریں گے۔ میں چلا گیا، لوگوں کو بٹھایا اور ٹیسٹ شروع کرایا۔ ابھی آدھا گھنٹہ ہی گزرا تھا کہ ایک امیدوار اٹھا اور مجھے پرچہ پکڑا دیا کہ یہ لو ہو گیا۔ میں نے پرچہ لے کر جو دیکھا تو وہ ایسا مکمل اور اعلیٰ حل شدہ تھا کہ ایسا کم از کم آدھے گھنٹے میں تو کوئی کر ہی نہیں سکتا۔ میں نے اسے روکا کہ مجھے آپ کی تلاشی لینی ہے۔ جب دیکھا تو جو خالی پرچہ اسے میں نے دیا تھا حل کرنے کے لئے وہ تو اس کے امتحانی گتے کے اندر دھرا ہے۔ دراصل اس کے پاس پہلے سے حل شدہ پرچہ تھا۔ میں نے اس سے پرچہ لے لیا اور اس سے پوچھا کہ تمہیں یہ کس نے دیا ہے؟ پتہ چلا کہ ادارے کا جو سربراہ تھا اس کے پی اے یعنی سیکرٹری نے دیا تھا۔ وہ دونوں آدمی بھی آ گئے کہ کوئی منت سماجت وغیرہ کر کے، کچھ کہہ سن کر اپنے آدمی کو بچا لیں۔ میں نے کہہ دیا کہ جناب میں نے خود یہ نقل پکڑی ہے اب میں اسے نہیں چھوڑ سکتا۔ لہٰذا میں نے تو اس پر لکھ دیا "Found Copying" یعنی نقل کرتے ہوئے پکڑا گیا۔ وہ تو چلے گئے، تھوڑی دیر بعد مجھے فون لا کر تھمایا کہ تمہارے لئے یہ ٹیلیفون آیا ہے۔ میں

نے فون اٹھایا تو دوسری طرف سے کسی نے کہا کہ میں گورنر ہاؤس سے فلاں ایڈیشنل سیکرٹری بات کر رہاہوں اور یہ ہمارا آدمی ہے جو تمہارے پاس ٹیسٹ دے رہا ہے اور اس کو پاس کرنا ہے تا کہ بھرتی ہو جائے،اب اس کا کیا ہوگا؟ میرا سر چکرایا کہ یہ تو بات گورنر ہاؤس تک پہنچ گئی اور میں ایک ۷ اگریڈ کا افسر،اب کیا کروں گا۔ پہلے تو میں کچھ گڑ بڑا گیا، پھر اپنا بیعت کا سلسلہ میری آنکھوں کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ میں نے اسے جواب دیا کہ جناب میں نے تو لکھ دیا ہے اس پر، اب آپ جو کر سکتے ہیں کر لیں۔ اس وقت تو بات آئی گئی ہوگئی پر سوال یہ ہے کہ یہ پرچہ دیا کس نے تھا؟ یہ پرچہ اس ادارے کے سربراہ کے سیکرٹری نے دیا تھا جو کہ ایک جگہ کی مرکزی شوریٰ کا رکن اور باہر ملکوں کے سفر کیئے ہوئے بزرگ تھا۔

میرے بھائی! ایمان ایک جدا چیز ہے۔ یہ تیری میری پیری مریدی اپنی جگہ پر... کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ رہنا۔ یہ تیرے میرے حج عمرے، یہ باہر ملکوں کے سفر، یہ تہجد اپنی جگہ،لیکن ایمان ایک جدا چیز ہے،اس لئے کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ رہنا۔شاید وہ اس بد دیانتی سے اس آدمی کے ساتھ جوڑ پیدا کر رہا ہو کہ پھر ایک آدمی تبلیغی جماعت میں وقت دے دے گا پھر اسے وصول کریں گے اور یوں تحریک میں ایک آدمی کا اضافہ ہو جائے گا۔ ہائے ہماری بیوقوفی کہ ہم اس بات کو سمجھتے ہی نہیں۔ بعد میں پتہ چلا کہ محکمہ اس پورے ٹیسٹ کو منسوخ کر کے نئے سرے سے کر رہا ہے۔ میں نے انھیں بتایا کہ ملک کا ایک قانون ہے اور اس کے مطابق ایک چلا ہوا عمل Revert یعنی واپس نہیں ہو سکتا لہٰذا اگر یہ اس کے خلاف عدالت چلے جائیں تو جیت جائیں گے۔خدا کی شان کہ عدالت سے حقدار نے اپنی نشست جیت لی۔

حجرِ اسود کے سامنے ساری رات کھڑے ہو کر تہجد پڑھنا بہت مشکل ہے میرے بھائی! اس

سے کمر میں بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ پر اس سے زیادہ مشکل کام اپنے محکمے میں حق پر قائم رہنا ہے، اور جو اس جگہ حق پر کھڑا ہے تو تہجد گزار اور میرے جیسا مولوی اور دورۂ حدیث والا اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا، کیونکہ اس کے ایمان کا ایک حال ہے اور وہ عروج پر ہے۔

کیفیت احسان:

فرمایا کہ ہمارے حضرت مولانا اشرف صاحبؒ نے اصلاحِ نفس کے لئے دین کے شعبے بیان کئے ہیں۔ عقائد، عبادات، معاملات، اخلاقیات اور معاشرت... یہ پانچ شعبے ہیں۔ تصوف صرف ذکر اذکار کے نصاب پورا کرنے کا نام نہیں ہے کہ نقشبندیہ کے یہ اسباق ہیں، یہ پورے کرلوں، قادریہ کے یہ اسباق ہیں، یہ پورے کرلوں، تصوف مکمل دین کا نام ہے۔ پورا دین اس کا موضوع ہے۔ عقائد سے لے کر معاشرت تک پورے کا پورا دین اس کا موضوع ہے۔ حضرت مولانا صاحبؒ کی مجلس میں ایک دفعہ ایک شخص آیا، بہت ذاکر شاغل تھا اور اس کو کشف بھی ہوتا تھا۔ ہمارے حضرت صاحبؒ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے ذاکر شاغل تو ہے لیکن اس کی اصلاح نہیں ہوئی۔ پوچھا کیوں؟ فرمایا کہ جب کوئی دوسرا بات کر رہا ہوتا تو اس کی بات کاٹتا ہے۔ آداب یہ ہیں کہ جب کوئی بات کر رہا ہو تو آپ تب بات کریں گے جب وہ اپنی بات مکمل کرلے۔ جب آپ دوسرے کی بات کاٹ کر اپنی بات شروع کردیں تو اس کا دل آپ سے برا ہو جاتا ہے۔ اس لئے یہ عمل آدابِ معاشرت کے خلاف ہے۔ چونکہ اس کی آدابِ معاشرت کی تربیت نہیں ہوئی لہٰذا یہ کاملین کے ہاتھوں سے نہیں گزرا۔ تو دین کے پانچوں شعبے تصوف کا موضوع ہیں۔ ان پانچوں شعبوں کا باطن میں انتہائی کمال کے ساتھ استحضار یعنی ان کی طرف دھیان ہونا اور پھر انتہائی کمال کے ساتھ ان کا عمل سے ظاہر ہونا تصوف کا حاصل ہے۔

من النبيين والصديقين و الشهداء و الصالحين. یہ چار درجے جو بیان ہوئے ہیں،

صالحین، شہداء، صدیقین اور انبیاء۔ وہی عمل ہے جو نبی بھی کررہا ہوگا، صدیق بھی کررہا ہوگا، شہید بھی کررہا ہوگا، وہی عمل صالح بھی کررہا ہوگا لیکن چاروں کے درجے الگ الگ ہیں۔ جب عمل سنت کے مطابق ہوجائے اور اس میں ظاہری ریا نہ رہے اور اخلاص کے ساتھ ہو تو یہ صالحین کا عمل ہوگیا۔ شہید اور صدیق میں تھوڑا فرق ہے۔ عام طور سے ہم شہید اسے کہتے ہیں کہ اسلام کی خاطر میدان جنگ میں اُترا ہو اور جان قربان کی ہو۔ مفتی شفیع صاحبؒ نے معارف القرآن میں لکھا ہے کہ اس جگہ شہداء سے مراد اولیاء اللہ کا وہ گروہ ہے جن کا مشاہدہ ہوتا ہے لیکن مشاہدۂ بعیدہ (دور کا مشاہدہ)، صدیقین سے مراد وہ اولیاء اللہ ہیں جن کا مشاہدۂ قریبہ ہو اور انبیاء کا مشاہدہ عینی ہوتا ہے۔ تصوف کا مطالبہ یہ ہے کہ **ان تعبد اللّٰہ کانک تراہ.** تصوف آپ کو مشاہدے والے مقام تک پہنچانا چاہتا ہے کہ جب تو کام کرے تو ایسی کیفیت ہو جیسے تو خدا کو دیکھ رہا ہے۔

کامیابی ناکامی کا دارومدار عمل پر:

فرمایا کہ یہ دنیا امتحان گاہ ہے یہاں پر بھیجا ہی اس لئے ہے کہ یہاں پر امتحان ہوگا، آزمائش ہوگی، جانچا جائے گا۔ آدمی اپنے عمل سے اللہ کے ماننے کا اور وفا کا ثبوت پیش کرے گا اور اس پر اس کی کامیابی ہوگی، آزمائش ضرور آئے گی۔ سب سے زیادہ مصیبتیں اور بلائیں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر آتی ہیں۔ **ان اشد الناس بلاءً الانبیاءَ ثم الامثل فالامثل.** پھر ان کے بعد جو افضل ہوں، پھر ان کے بعد جو افضل ہوں۔

حضور ﷺ تشریف فرما تھے، جبرائیلؑ آئے انہوں نے آپ ﷺ کو بتایا کہ فلاں سرزمین پر آپ ﷺ کے نواسے کو شہید کیا جائے گا اور وہاں کی مٹی بھی لاکر حضور ﷺ کو انہوں نے دی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہٗ جنگِ صفین کے موقع پر کربلا سے گزر رہے تھے تو وہاں انہوں نے اتر کر نماز پڑھی اور کہا

کہ یہ وہ سرزمین ہے جہاں صحابہؓ کے بعد افضل ترین شہداء گریں گے۔حضور ﷺ پر سب سے زیادہ بلائیں اور آزمائشیں آئیں، پھر آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے اہلِ بیت پر آئیں اور بظاہر تو یہ آزمائش، تکلیف اور مصیبت نظر آتی ہیں لیکن اندر سے یہ تو اللہ کا قرب دلانے والی چیز ہوتی ہے۔اس وجہ سے جو اللہ والے ہوتے ہیں وہ مصیبت پر اس طرح پریشان اور بے چین نہیں ہو رہے ہوتے، بوکھلا نہیں جاتے جیسے ہم لوگ بوکھلا جاتے ہیں۔

کاکول کی ٹریننگ میں دسمبر کے مہینے میں رات کے بارہ بجے سب کو باہر نکالتے ہیں، پھر ٹھنڈے پانی کے تالاب میں نکر پہن کر چھلانگیں لگانے کو کہتے ہیں، چھلانگیں لگواتے ہیں، پھر نکالتے ہیں، ورزش کراتے ہیں یہاں تک کہ پسینہ نکل آئے، پھر کہتے ہیں جا کر سو جاؤ۔ ہمارا ایک برخوردار ہے، اس نے بتایا کہ رات بارہ بجے ہمیں نکالا، تالاب میں چھلانگیں لگوائیں، پھر اس سے باہر نکالا، ورزش کرائی یہاں تک کہ پسینہ نکالا، پھر کہا جا کر سو جاؤ۔صبح اٹھے تو اتنے تروتازہ تھے کہ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔دیکھنے والا آدمی تو سوچتا ہے کہ پانی میں گرا رہے ہیں ان کو اور دوڑا رہے ہیں، یہ تو اچھی خاصی تکلیف میں مبتلا ہیں۔ایک ورزش کاکول والوں کی یرموک ہے۔یہ تقریباً ایک سو ستائیس میل ۳۵ کلو وزن کے ساتھ پہاڑوں پر چلنا ہے۔اور ایک دوڑ ایک میل یعنی 1.6 کلومیٹر کی جس کو چھ منٹ میں مکمل کرنا ہوتا ہے۔دیکھنے والا آدمی کہے گا بڑی مصیبتوں میں آدمی کو ڈالا ہوا ہے، اور اگر کوئی خیرخواہ کہے کہ اس کو اس مصیبت سے نکال دیتے ہیں تو کیڈٹ سمجھے گا کہ یہ تو میرا بدخواہ ہے، خیرخواہ نہیں ہے۔ اس مصیبت میں تو ہم نے اپنے آپ کو بڑی کوشش سے ڈلوایا ہے اور اس مصیبت کا تو ہم لطف اٹھا رہے ہیں، کیوں کہ اس کے بعد ہمیں بہت بڑے درجے ملنے والے ہیں، افسریاں ملنے والی ہیں، لہٰذا دیکھنے والے کیلئے وہ تکلیف ہے اور جس پر آئی ہوئی ہے اس کیلئے راحت ہے۔اس کیلئے تکلیف نہیں

ہے بلکہ اس سے وہ خوشی اور خوش گواری محسوس کر رہا ہے کہ اس کے بعد ہمارے عہدے ہیں اور ترقیاں ہیں۔

سب سے اہم چیز انسان کا عمل:

فرمایا کہ سب سے اہم چیز اس دنیا میں انسان کا عمل ہے۔لہٰذا اس بات کی نیت کریں کہ اس دنیا میں رہتے ہوئے میرا عمل ضائع نہ ہو، میرا عمل خراب نہ ہو۔گاڑی ٹوٹ گئی تو جڑ جائے گی، دوسری مل جائے گی، مکان گر گیا دوسرا مل جائے گا،نوکری چلی گئی تو پھر بندوبست ہو جائے گا،قسمت کی روزی مل کر رہے گی، اگر ساری فصل پر ژالہ باری ہوگئی کچھ بھی نہ رہا تو پھر بھی ضرورتیں پوری ہو جائیں گی لیکن عمل ضائع ہو گیا تو پھر اس کا کوئی مداوا،کوئی علاج نہیں ہو سکتا۔تو لہٰذا زندگی گزارنے کے لیے یہ نیت کرنی ہوتی ہے کہ ہم تو یہاں پر اللہ کے احکامات کو پورا کرنے کے لیے، حضور ﷺ کے طریقوں کو پورا کرنے کے لیے اور اعمال صالحہ کو حاصل کرنے کے لیے اس زندگی کو گزاریں گے اور یہ وہ بنیاد ہے کہ جس پر اللہ تعالیٰ آپ کی دنیا کو بھی بنائے گا۔

کشف بزرگی کی علامت نہیں:

فرمایا کہ جہاں دین کا کام ہو رہا ہو یا مستقبل میں ہونا ہو وہاں رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ ہمارے حضرت مولانا فقیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کے خلیفہ تھے۔ پشاور کے مضافات میں ان کا گاؤں ہے لنڈی ارباب،ان کی وفات ہوئی تو مشورہ ہوا کہ تدفین کہاں ہو۔ایک تو سامنے قبرستان تھا اور ایک ان کی اپنی ہی جگہ تھی جس کے ساتھ ملحقہ مسجد بھی تھی۔حاجی ایوب ایک عمر رسیدہ بزرگ تھے پشاور کے، بزرگوں کے ساتھ ان کا بہت وقت گزرا تھا، بزرگوں کی بہت خدمتیں کی تھیں اور تبلیغی جماعت میں بہت کام کیا ہوا تھا۔وہ آئے تو انھوں نے مسجد کے عقب میں

ایک جگہ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ حضرت صاحب اس جگہ دفن ہوں گے۔ کسی نے پوچھا کہ کیوں؟ کہا کہ میں نے بڑے عرصے تک ایک مجذوب کو دیکھا ہے کہ یہاں آ کر مراقب ہوتا تھا کہ اس جگہ انوارات کا نزول ہوتا ہے لہٰذا حضرت صاحب یہاں دفن ہوں گے۔

پشاور یونیورسٹی میں بھی ایک قبرستان ہے، وہاں ایک پیر تھا جو نماز پڑھتا نہ روزہ رکھتا، قوالی کرواتا تھا، لوگ آتے اور رونا دھونا کرتے اور چھلانگیں لگاتے اور پھر اس کے قدموں میں سر رکھا ہوا ہوتا۔ یہ اس کا سلسلہ تھا اور بہت بڑی گمراہی پھیلا رہا تھا۔ اس نے مرنے سے پہلے قبرستان میں ایک جگہ کی نشاندہی کر دی کہ یہاں پر میرا مزار بنایا جائے۔ سرکاری زمین پر مرنے سے پہلے ہی مزار بنوالیا اپنے لئے۔ ایک قبر کی جگہ اگر مانگتا اور وہ دے دیتے تو چلو ٹھیک، اس نے تو پورا مزار بنالیا اور اتنی بڑی جگہ گھیر لی۔ کچھ لوگ تھے یونیورسٹی میں انھوں نے کہا کہ یہ تو پہلے ہی اتنی بدعات اور گمراہی پھیلا رہا ہے، اب مزار بھی بن گیا تو کل کو یہاں پر ڈھول باجے بھی شروع ہو گئے تو پھر کیا کریں گے؟ بندہ کے مریدوں نے تعمیر گرادی۔

بعد میں اسی جگہ حضرت مولانا اشرف صاحبؒ دفن ہوئے۔ لوگ کہتے ہیں کہ پیر کو کشف ہوتا تھا، کشف کوئی بزرگی کی علامت تو ہے نہیں، اہلِ باطل کو بھی ہوتا ہے، کفار کو بھی ہوتا ہے۔ اس نے کشفاً یہ انوارات والی جگہ معلوم کر لی تھی لیکن خود چونکہ اہلِ باطل میں سے تھا اس لئے اس کی جگہ یہاں نہیں تھی۔ وہ تو جس نے وہاں آنا تھا اس کے انوارات نظر آ رہے تھے۔ تو یہ سب ان محلات کا تذکرہ تھا جہاں دین کا کام ہوتا ہے۔

اللہ والوں کی ہیبت:

فرمایا کہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہٗ کو جب حجاج بن یوسف نے اپنے دربار میں کھڑا

کیا اور جلاد سے کہا کہ تلوار نکال کر لہراؤ، پھر انھیں ڈرایا دھمکایا تاکہ وہ معافی مانگ لیں تو یہ چرچا ہو جائے گا کہ بڑے بڑے علماء بھی جو کہ حجاج کو گمراہ سمجھتے تھے اس کے زیر اثر آ گئے۔ جب بہت کوشش کر لی پر کوئی فائدہ نہ ہوا تو حجاج نے کہا کہ میں تو تمہارا سر اتارنے والا ہوں۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''اگر میں تمہیں اپنی زندگی اور موت کا مالک سمجھتا تو تمہیں اپنا معبود نہ بنا لیتا!'' یہ سن کر حجاج کو غصہ آ گیا۔ جلاد نے تلوار چلائی تو ان کا سر دور جا گرا اور خون کا ایک فوارہ پھوٹ پڑا۔ حجاج نے شاہی طبیب سے پوچھا کہ ہم نے اتنے قتل کئے پر ان میں تو خون ہی نہیں ہوتا، اس سے اتنا خون کیوں بہہ رہا ہے؟ طبیب نے کہا کہ دراصل ان کے دل پر آپ اور آپ کی تلوار کا ذرہ برابر خوف نہیں تھا۔ جب غیر اللہ کا خوف، غیر اللہ کا شوق، غیر اللہ کا رعب، غیر اللہ کی حیثیت، حکومتوں کا دبدبہ، اسلحوں کی دہشت و وحشت اور مال و دولت کی چکا چوند، یہ سب چیزیں تیرے آگے خاک اور راکھ ہو جائیں تو اس وقت انسان پر توحید کا دروازہ کھلتا ہے۔ یہ صرف قبروں کے بارے میں بیان بازی کرنا اور حیات کا انکار کرنا اور اس طرح سے توحید بیان کرنا، محض اتنی سی بات نہیں ہے۔ توحید صرف اتنی بات نہیں جتنی تم سمجھ پا رہے ہو۔ اس سے آگے بڑی گہری باتیں ہیں اس میں۔

ہندوستان کا ایک بادشاہ سلطان محمد تغلق گزرا ہے جو کہ عالم بھی تھا اور اتنا خوفِ خدا والا انسان تھا کہ اس نے اتحاد بین المسلمین کی خاطر ترکی کے خلیفہ کی طرف ایک آدمی تحفے تحائف سمیت یہ پیغام دے کر بھیجا کہ پوری دنیائے اسلام کے خلیفہ آپ ہیں اور میں آپ کا ماتحت ہوں۔ میری طرف سے علامت کے طور پر یہ تحفے قبول کریں۔ جواب میں انھوں نے تغلق کو ایک تلوار بھیجی اور کہا کہ آپ کی بات ہمیں قبول ہے اور ہندوستان میں آپ ہمارے نمائندہ ہیں۔ اسے خدا نے اتنا رعب و دبدبہ دیا تھا کہ جو بھی اس کے دربار میں آتا اس پر لرزا طاری ہو جاتا۔ ایک بزرگ تھے، انھوں نے

اپنے بیٹے کو ساتھ لیا اور چل پڑے دربار کو کہ ذرا دیکھیں تو کیسا دبدبہ ہے؟ وہ دربار کے قریب پہنچے تو بیٹے پر لرزا طاری ہو گیا اور وہ کانپنے لگا۔ اتنا رعب تو بادشاہ کا دربار سے باہر تھا۔ بزرگ نے اپنے بیٹے کو مخاطب کر کے کہا: ''اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر۔'' پھر وہ دربار میں داخل ہوئے اور جوں تخت کے نزدیک ہوئے تو ان اللہ والوں نے محمد تغلق سے بآواز بلند کہا: ''السلام علیکم!'' ان کا سلام سنتے ہی تخت پر بیٹھے بادشاہ پر لرزہ طاری ہو گیا۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

هیبتِ حق است ایں از خلق نیست

هیبتِ ایں از مردِ صاحبِ دلق نیست

یہ حق کی ہیبت ہے، اس گدڑی پوش فقیر کی ہیبت نہیں، یہ اللہ کی ہیبت ہے جو بادشاہ پر بھی طاری ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے کہا کہ شیر آ گیا ہے اور اس نے راستہ روک رکھا ہے، ہمیں بڑی تکلیف ہے جانے کا رستہ نہیں ہے۔ آپؓ تشریف لے گئے اور شیر سے مخاطب ہو کر کہا: ''جس کو کھانے کے لئے مقرر ہوئے ہو آگے بڑھ کر اس کو کھا لو اگر اس میں تمہارا رزق ہے، اور اگر کوئی نہیں تو پھر ویسے لوگوں کو کیوں تنگ کرتے ہو، رستہ چھوڑ دو۔'' یہ کہا اور ساتھ ہی ایک تھپڑ اس کے کان پر دے مارا۔ شیر نے سر جھکایا اور رستہ چھوڑ کر ایک طرف چل پڑا۔ شیخ سعدی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

هر چه از حق ترسد و تقویٰ گزید

ترسد از و جن و انس و هر که دید

جو اللہ سے ڈرا اور تقویٰ اختیار کیا اسے جن، انسان اور جو کوئی بھی دیکھے اس پر خوف طاری ہو جاتا ہے۔

(جاری ہے)

عِلم و فَہم

ازافادات حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہٗ عالیہ و حضرت ڈاکٹر قیصر علی صاحب مدظلہٗ

(جناب فہیم صاحب، انچارج شعبۂ نفسیات، سوات یونیورسٹی)

ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے پوچھا گیا کہ آپ کے خلیفہ کیسے آدمی ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: ''نہ دھوکہ دیتے ہیں اور نہ دھوکہ کھاتے ہیں۔''

کتنے مختصر اور جامع الفاظ ہیں اور کتنا عجیب و غریب جواب۔ دھوکہ نہ دینے کے لئے تقویٰ کی ضرورت پڑتی ہے، اللہ کا خوف ضروری ہوتا ہے۔ جتنا آدمی تقویٰ والا ہوگا، گناہ سے بچتا رہے گا تو لوگ اس سے محفوظ رہیں گے اور یہ سب کے لئے رحمت ہوگا۔ لیکن آدمی دوسرے کے دھوکے میں نہ آئے، اس کی چال میں نہ پھنسے، اس کے لئے فہم چاہیئے۔ علم و فہم دونوں ضروری ہیں مگر علم الگ چیز ہے اور فہم الگ چیز۔ اس پر ایک واقعہ ہے جس سے بات مزید واضح ہو جائے گی اور علم و فہم کا فرق سامنے آ جائے گا۔

ایم ایم اے دور میں ارکان اسمبلی اور وزراء کے ساتھ جو توقعات عوام نے وابستہ کی تھیں ان پر وہ پورا نہ اتر سکے۔ چنانچہ ان میں سے ایک مولوی صاحب کو ایک محکمے کی وزارت کا چارج ملا۔ اس محکمے کا ایک افسر انتہائی بد دیانت (کرپٹ) تھا۔ ساتھیوں نے اسے کہا کہ اب تو تُو پھنسے گا، وزیر صاحب آئیں گے تو تیری شکایت لگے گی اور تیرا یہاں سے بوریا بستر گول! اس افسر نے کہا: ''فکر نہ کریں، میرا اتنا سالہ تجربہ ہے، دیکھ لیں گے۔''

اب یہ افسر انتظار کرنے لگا کہ کب مولوی صاحب پہنچیں گے۔ جس دن وزیر صاحب کو آنا تھا، یہ پہلے سے وہاں استقبال کے لئے پہنچ گیا، پرتپاک استقبال کیا اور خوب خاطر تواضع کی۔ وزیر صاحب گاؤں سے سوزوکی پک اپ گاڑی میں اپنا ضروری سامان لے کر آئے تھے۔ ''آپ کو گھر نہیں ملا؟'' افسر نے پوچھا۔ ''نہیں، ہم ملنگ لوگ ہیں۔ یہاں ممبران کے ہاسٹل میں رہیں گے۔'' وزیر صاحب بولے۔ ''آپ میرے ساتھ آئیں۔ میرے ساتھ رہیں اور میرے گھر کو اپنا گھر سمجھیں،'' افسر نے فوراً کہا، ''جب تک کہ آپ کو مکان الاٹ نہ ہو۔''

بہرحال افسر نے چند دنوں میں انہیں مکان الاٹ کر کے دیا اور تمام تر سہولیات مہیا کیں اور ایک نوکر بھی دے دیا۔ ایک دن افسر صاحب خیر خبر معلوم کرنے کے لئے گئے۔ وزیر صاحب بڑے خوش تھے اور ان کے ممنون تھے۔ پھر یہ کہہ کر اُٹھے کہ آپ کو چائے پلاتا ہوں اور کچن میں نوکر کے پاس جانے لگے۔ افسر نے فوراً کہا: کیا آپ کے کمرے میں گھنٹی اور انٹر کام کا انتظام نہیں ہوا؟ پھر مزید سمجھایا کہ آپ خود نہ جایا کریں اور نہ آواز دیا کریں بلکہ گھنٹی یا انٹر کام سے بلایا کریں۔

وزیر صاحب کے سب بیٹے بھی گاؤں سے لاکر شہر میں انگریزی سکولوں میں داخل کرا لئے گئے اور افسر نے ہر ایک لڑکے کے کمرے میں LCD TV بھی لگا دیا۔ بس پھر کیا تھا، وزیر صاحب کے سامنے کاغذ پیش کیا جاتا اور وہ دستخط کر دیتے۔ اگر کسی نے ہمت کر کے اس افسر کے خلاف بات کی بھی تو الٹا اس کو ڈانٹ پڑتی کہ اتنے شریف آدمی کی شکایت لگانے آئے ہو۔

واقعہ ختم ہوگیا۔ اصل بات یہ ہے کہ دورانِ طالب علمی جن طلبہ کو سیاست کا شوق چڑھ جائے، وہ پڑھائی میں کم دلچسپی لیتے ہیں اور ایسے طلبہ کا IQ Level بھی کم ہوتا ہے۔ جبکہ ذہین طلبہ پڑھائی میں مگن رہتے ہیں اور فراغت کے بعد درس و تدریس کی طرف چلے جاتے ہیں، اور سیاست سے دور رہتے ہیں۔ ایک مرتبہ راقم الحروف کو مدارس کے طلبہ کے ساتھ سفر کا اتفاق ہوا۔ یہ طلبہ ایک دینی سیاسی پارٹی کے جلسے میں شرکت کے بعد واپس آرہے تھے۔ وضع قطع سے تو مدرسے کے طلبہ لگ رہے تھے لیکن اندازِ گفتگو اور طرزِ عمل دیکھ کر افسوس ہوا۔ ایک عالم صاحب بلکہ مفتی صاحب کو بہت قریب سے دیکھا جو تبلیغ و سیاست میں پیش پیش تھے۔ لیکن اہلِ محلّہ کے ساتھ اختلافات اس حد تک بڑھے کہ سب نے اتفاق کر کے ان کو نکالا۔ دکھ اس بات کا تھا کہ آخر یہ دیندار لوگ دین کو کس شکل میں عوام کے سامنے پیش کرتے ہیں اور عامی لوگ کس قسم کی رائے ان کے متعلق رکھتے ہیں۔

دراصل دین توازن اور ترتیب پر چلنے کا نام ہے اور اس کو سمجھنے کے لئے علم و فہم چاہیئے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہٗ کا مقولہ ہے:

''ایک من علم کے لئے دس من فہم چاہیئے اور دس من فہم کے لئے سو من اللہ کا خوف چاہیئے۔ بعض اوقات فہم نہ ہو تو خالی علم بغیر فہم کے زیادہ نقصان دیتا ہے اور خطرناک بن جاتا ہے۔''

حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے کہ مؤمن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فہم و فراست کے تو کئی ایک واقعات

ہیں لیکن خلیفۂ اول حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا واقعہ بہت نرالا ہے۔ جیسے ہی انہوں نے خلافت کی ذمہ داری سنبھالی تو بڑے بڑے فتنے سر اُٹھانے لگے۔ انہوں نے فوراً ایک لشکر منکرین ختمِ نبوت سے قتال کرنے کے لئے بھیجا جبکہ دوسرا لشکر منکرین زکوٰۃ سے قتال کرنے کے لئے روانہ کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ ان کے سامنے آکر کہنے لگے کہ امیر المؤمنین! کیا آپ مدینہ منورہ کو خالی کرنا چاہتے ہیں؟ صحابیاتؓ اور امہات المؤمنینؓ کی رکھوالی کون کرے گا؟ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کے سینے پر ہاتھ مار کر ایک عجیب اور تاریخی جملہ ارشاد فرمایا: ''تم تو پہلے بڑے بہادر تھے، اب تمھیں کیا ہو گیا۔ سب کچھ برداشت کر سکتا ہوں لیکن دین میں نقص ناقابل برداشت ہے۔ کوئی بھی نہیں جا رہا تو میں اکیلے جاؤں گا اور یہ میں چلا....'' بس یہ حال دیکھنا تھا کہ سب صحابہ کرامؓ کا جوش مزید بھڑک اُٹھا۔

اعلان

آئندہ ماہانہ اجتماع ۲۳ مارچ ۲۰۱۸ء بروز جمعہ کڑی شیخان ضلع کوہاٹ میں منعقد ہوگا۔ ۲۲ مارچ بروز جمعرات دن دو بجے خانقاہ سے روانگی ہوگی۔ بیانات عشاء، فجر اور دستار بندی کے بعد ہوں گے اور واپسی دوپہر کے کھانے کے بعد ہوگی۔

تبصرۂ کتب

حضرت قاری حافظ ڈاکٹر بریگیڈیئر (ر) فیوض الرحمٰن صاحب

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

حضرت والا جناب قاری حافظ ڈاکٹر بریگیڈیئر (ر) فیوض الرحمٰن صاحب مدظلہ العالی کے درجات کو اللہ بلند فرمائے کہ آپ نے اس بندہ کی طرح بے حیثیت اور بے چارہ مریدوں کو بھی یادرکھا۔ حضرت نے اپنی تین کتابیں، پروفیسر غازی احمد صاحب (سابق کرشن لال)، سوانح قاری فضل کریم صاحب اور یادگار خطوط، ازراہِ کرم اعزازی طور پر بھیجیں۔ شاید اسی موقع کیلئے میاں محمد بخش صاحبؒ نے سیف الملوک میں فرمایا ہے:

میں نیواں میرا مرشد اچا، تے میں اچیاں دے سنگ لائی

صدقے جاواں اِناں اُچیاں تائیں جِناں نیویاں نال نبھائی

(میں بے حیثیت ہوں، میرا مرشد اونچی حیثیت کا مالک ہے جن کے ساتھ ہمارا ساتھ ہے، ان اونچی حیثیت والوں کے صدقے جاؤں کہ انہوں نے اپنے سے نچلے درجے والوں کے ساتھ نباہ کیا)

یہ اونچی حیثیت والی شخصیات کا کمال ہے کہ اپنے چھوٹوں پر نظرِ کرم رکھتے ہیں۔

پروفیسر غازی احمد صاحبؒ:

پہلی کتاب پروفیسر غازی احمد صاحبؒ کی سوانح عمری کا خلاصہ ہے۔ جناب غازی احمد صاحبؒ چھوٹی عمر میں کرشن لال سے مسلمان ہوکر غازی احمد بنے۔ اس چھوٹی عمر میں جان لیوا

مشکلات اور مجاہدات سے گزرے۔ انہوں نے خود اپنی سوانح عمری لکھی۔ بندہ نے بھی پڑھی ہے جس میں بلا کی کشش اور تڑپ ہے۔ واقعی انسان کو تڑپا کے رکھتی ہے اور رُلا کے چھوڑتی ہے۔ واقعی اس صدی کی شاہکار کتابوں میں سے ایک ہے۔ جس نے یہ سوانح نہیں پڑھی اُس سے بہت کچھ رہ گیا ہے۔ اسی کتاب کا خلاصہ کر کے اور ساتھ غازی صاحبؒ کے خطوط کو شامل کر کے حضرت ڈاکٹر صاحب نے ایک حسین گلدستہ بنا دیا۔ پڑھنے اور دیکھنے کے لائق ہے۔

سوانح قاری فضل کریم صاحبؒ:

یہ کتاب ڈاکٹر صاحب کے استاد حضرت قاری فضل کریم صاحبؒ کی سوانح عمری ہے۔ ساری کتاب ایک اللہ والے کی سوانح عمری ہونے کی وجہ سے بہت پرکشش ہے۔ دیباچہ جناب حضرت مولانا محمد عارف صاحب (ڈاکٹر فیوض الرحمٰن صاحب کے بڑے بھائی) کا لکھا ہوا ہے جس میں علامہ اقبال کے قرآن مجید کے بارے میں اردو، فارسی کے وہ اشعار لائے ہیں جن میں علامہ اقبال نے اپنے خونِ جگر کی آمیزش کی ہے اور اپنے دل گردے قرآن پر لٹائے ہیں۔ حضرت مولانا محمد اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں جب نعت خوانی ہوتی اور عارفانہ کلام پڑھا جاتا تو اس کی وجہ سے ہُوحق کا حال طاری ہو جاتا تھا۔ حضرت مولانا محمد عارف صاحب کی تحریر کا گویا وہی رنگ تھا۔ ان کی یادیں بندہ کے دل میں تازہ ہوئیں۔ بندہ نے ۱۹۸۸ء اور ۱۹۸۹ء کے دو سال حضرت مولانا عارف صاحبؒ کے ساتھ کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج میں گزارے تھے جس میں حضرت نے بندہ کو بہت شفقت سے نوازا تھا۔

یادگار خطوط:

اس کتاب میں آپ کے مختلف لوگوں کو بھیجے ہوئے خطوط ہیں۔ آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ

نے ایسی حیثیت عطا فرمائی تھی کہ ایک عام آدمی سے لے کر پاکستانی معاشرے کی اعلیٰ سے اعلیٰ شخصیات تک آپ کے تعلقات رہے۔ یہ تعلقات ایک طرف دینی مدارس کے اونچے درجے کے علماء، عام طلباء، تصوف کے سلاسل کے مشائخ، ڈاکٹر صاحبان، انجینئر صاحبان، فوج کے عام فوجی سے لے کر لیفٹیننٹ جنرل صاحبان تک، معاشرے کے آم غریب سے لے کر اونچے درجے کے سرمایہ دار صاحبان تک پاکستان کے شعبۂ تعلیم کے عام ٹیچر سے لیکر اونچے درجے کے پی ایچ ڈی صاحبان تک رہے۔ آپ کے مریدوں میں معاشرے کے ہر طبقے کے لوگ شامل ہیں۔ ان سب کو آپ نے اپنے گہرے علم، گہری بصیرت اور لاجواب رہنمائی کے ساتھ مخاطب کیا ہوا ہے۔ خطوط کا پڑھنا ہمارے جیسے لوگوں کیلیے بہت زیادہ علمی اور تربیتی فوائد کا ذریعہ ہے۔

(صفحہ نمبر ۲۸ سے آگے)

اور ہمارے معاملات میں حلال حرام کی تمیز ہی ختم ہوگئی ہے۔ کیونکہ میں ان کے غیر شرعی مطالبوں پر جب ان سے سوال کرتا ہوں کہ تجھے معلوم ہے یہ بات حرام ہے یا حلال تو مجھے الٹا کہتے ہیں کہ تو کس زمانے کی بات کرتا ہے۔

حضرت جی آپ سے پوچھا تھا، اشراق کے بعد دس منٹ درود شریف خصوصی توجہ اور اہتمام کے ساتھ باقاعدگی سے پڑھتا ہوں۔ آپ نے جاری رکھنے کا فرمایا تھا۔ اب الحمدللہ وہ مجلس کبھی کبھی دعا سمیت چالیس پچاس منٹ تک پہنچ جاتی ہے اور آنسو ہی آنسو اور منہ سے بے اختیار اللہ، اللہ کی چیخیں نکل جاتی ہیں، اور اللہ پاک سے خوب دعائیں مانگتا ہوں کہ یا اللہ تجھے ہی معلوم ہے مقامِ مصطفیٰ ﷺ، تو ہی اس کو روضۂ اقدس پر ان کی شان اور مقام کے مطابق بنا کر پیش فرما دے۔ حضرت جی! کیا بتاؤں اس پورے دورانئے میں جو لطف وسکون حاصل ہوتا ہے، وہ بیان سے باہر ہے۔

مذہبی غیرت و دینی حمیت اور بائیکاٹ

(انتخاب از حیاتِ درویش)

جہاں تک علم کے حروف ونقوش، کتابی معلومات اور فنی تحقیقات کا تعلق ہے ان کے شناوروں کی اب بھی زیادہ کمی نہیں اور شاید آئندہ بھی نہ ہو۔ لیکن جہاں تک دینی حمیت و غیرت کا تعلق ہے تو یہ چیز خال خال ہی ملتی ہے اور شاید یہ امتیازی وصف حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ کی خانقاہی زندگی ہی کو حاصل ہے۔ جناب رسول ﷺ کے ساتھ ایک محبت کا تعلق ہوتا ہے اور دوسرا غیرت کا، اور حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ میں یہ دونوں صفات بدرجہ اتم موجود ہیں۔ دین کے معاملے میں آپ کسی لچک کے روادار نہیں۔

ڈنمارک والوں نے جب گستاخانہ خاکے شائع کئے اور ناروے والوں نے نہ صرف ان کی حمایت کی بلکہ گستاخی کرنے والوں کو سیکورٹی بھی فراہم کی تو اس پر حضرت نے اپنے مریدین کو ناروے کی ٹیلی نار موبائل سم کا استعمال کرنے سے سختی سے منع فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ میرا جو مرید بھی ٹیلی نار سم استعمال کرتا ہے وہ ہماری مجالس میں نہ آئے۔

اسی طرح جب سے دنیائے اسلام پر کفر کی یلغار ہوئی اور افغانستان اور عراق میں تھوک کے حساب سے مسلمانوں کا کشت وخون ہوا اور حضرت نے یہ دیکھا کہ کافر کی معیشت کا اچھا خاصا دارومدار دنیائے اسلام پر ہے کیونکہ ہم لوگ ان کی مصنوعات کو بے دریغ خریدتے ہیں اور استعمال کرتے ہیں۔ ان میں سے بہت کم چیزیں ایسی ہیں جو زندگی کے لئے ناگزیر

ہوں، کہ جن کے بغیر وقت نہ گزر سکے۔جن حضرات کا جدید معیشت کا مطالعہ نہ ہوتو وہ معاشی قوت اور معاشی جنگ (Economic War) کے سمجھنے میں معذور ہیں، مغرب ان تمام مسلم ریاستوں کو اپنے کافرانہ معیشت و معاشرت کے عالمی اداروں کی محتاجی اور انہیں سے وابستہ سودی قرضوں کے چنگل میں بری طرح گرفتار اور معاشی غلامی میں جکڑنا چاہتا ہے۔وہ عالم اسلام کو اپنا دست نگر بنانا چاہتا ہے۔اس تناظر میں حضرت نے اہلِ کفر کی مصنوعات کے معاشی بائیکاٹ کی ترغیب دی اور پیپسی، سیون اپ، کوکا کولا، ڈیو، سپرائٹ، شیزان، یونی لیور کی تمام مصنوعات کے استعمال کو سختی سے منع فرماتے ہیں۔حضرت فرماتے ہیں کہ مطلق کافر دو قسم کے ہوتے ہیں۔ایک حربی کافر اور دوسرا غیر حربی کافر۔حربی کافر وہ ہوتا ہے جس نے دنیائے اسلام پر یلغار کی ہو اور مسلمانوں کا خون بہایا ہو۔ان سے بائیکاٹ اسلام سے محبت اور وفا کی نشانی ہے (بلکہ واجب ہے)۔

یہودیوں کی ملٹی نیشنل کمپنی نیسلے (Nestle) کے دودھ، جوس اور منرل واٹر کے استعمال کو بھی پسند نہیں فرماتے ہیں۔ایک دفعہ ایک شخص کسی مریض کے لئے نیسلے کمپنی کا پانی دم کے لئے لے آیا۔حضرت کو بہت غصہ آیا اور اپنے ایک مرید سے کہا کہ جاؤ اور اس بوتل کو زمین پر اس زور سے دے مارو کہ اس کی آواز اسرائیل تک پہنچ جائے۔اور اس شخص سے فرمایا کہ چندہ تو اسرائیل کے یہودیوں کو دے دیا اور پانی میرے پاس دم کرنے کیلئے لے آئے۔یعنی نیسلے پانی کی بوتل خرید کر اس کا سارا منافع تو یہودی کمپنی کو پہنچا دیا۔

ایک دفعہ لاہور تشریف لے گئے تھے تو واپسی پر ساتھیوں نے کورین کمپنی کے ڈائیو

بس کا ٹکٹ خریدنا چاہا۔ حضرت نے فرمایا کہ میں عام بس میں سفر کروں گا۔ مریدوں نے کہا کہ حضرت اس بس میں سہولیات زیادہ ہوتی ہیں اور فلاں پیر صاحب کے خلیفہ بھی اس میں سفر کرتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ دیکھو بچو! مسلمانوں کی بس میں دھکے کھانا مجھے پسند ہے لیکن کافروں کے بس میں ہرگز نہیں جاؤں گا۔

برطانیہ کے سفر پر تھے تو جب دارالعلوم بری کے احباب نے تازہ پھلوں کا جوس پیش کیا تو بہت خوش ہوئے کہ خدا کا شکر ہے کہ ان کا احساس زندہ ہے اور پیپسی نہیں پلائی۔ اسی سفر میں ایک پیسے کی چیز بھی ان کے بازاروں سے نہیں خریدی اگرچہ ساتھیوں نے کوشش کی تھی کہ حضرت کو کسی بڑے سٹور میں لے جا کر حضرت کے لئے کچھ چیزیں خریدیں مگر حضرت نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے دین کے پھیلانے کے لئے آیا ہوں۔ میں یہاں کافر ملک کی چیزیں خریدنے نہیں آیا۔ آپ لوگوں کی جیب میں جو پیسہ ہے وہ اہل اسلام کی امانت ہے۔ اپنی گاڑی میں کبھی بھی یہودیوں کی شیل (Shell) کمپنی کا تیل نہیں بھرواتے اور حضرت کے مریدین بھی زیادہ تر پاکستان سٹیٹ آئل (PSO) کا تیل بھرواتے ہیں۔

یہودی مشروبات کے مقابلے میں حضرت نے جوس کا ایک کارخانہ خود اپنے گھر ہی میں لگایا اور فقیر نے خود حضرت کو اپنی گاڑی میں دکانداروں کو جوس کے کارٹن پہنچاتے دیکھا ہے۔ بعد میں وہ کارخانہ معاشی لحاظ سے کمزور اور ایک ضرورت مند مرید کے حوالے کر دیا۔ حضرت نے اپنے کئی مالدار مریدین سے بھی مشروبات کے کارخانے لگوائے۔ فرمایا کرتے ہیں میں اس طرف لوگوں کا رجحان پیدا کرنے کیلئے ان کو ایک نمونہ دکھلانا چاہتا ہوں۔ راقم

الحروف فقیرا کثر یہ سوچتا کہ اگر حضرت ڈاکٹر صاحب جیسی شخصیات نہ ہوتیں تو پھر اس گلّے کوتو بھیڑئیں کھا جاتیں۔کفر تو اسلحے کے میدان میں بھی آ گے ہے اور معیشت پر بھی قابض ہے۔ پڑھنے والوں کے لئے ان واقعات میں بڑی عبرت کی چیزیں موجود ہیں۔

ڈنمارک میں جب گستاخانہ خاکے شائع ہوئے تو لوگ سڑکوں پر احتجاج کے لئے نکل آئے (اور نکلنا بھی چاہئے تھا) حضرت فرماتے کہ ایک عارضی قسم کا احتجاج ہوتا ہے لیکن ایک اور احتجاج جو سب سے زیادہ مؤثر ہوتا ہے اور وہ ان کا معاشی بائیکاٹ ہے۔

راقم الحروف نے سنا کہ برونائی دارالسلام کے فرمانروا حسن البلقیہ صاحب نے جب یکم مئی ۲۰۰۸ میں مرحلہ وار اسلامی قوانین وسزائیں نافذ کرنے کا اعلان کیا تو ردعمل میں امریکی ریاست میں موجود برونائی دارالسلام کی دو بڑے بڑے ہوٹلوں کا امریکہ کی معروف سماجی، صنعتی اور تجارتی شخصیات نے بائیکاٹ کر دیا اور نہ صرف برونائی دارالسلام کی مصنوعات کا بائیکاٹ کیا بلکہ مسلمان ممالک خصوصاً عرب اور خلیجی ممالک کی مصنوعات بھی امریکہ کے بڑے بڑے بازاروں اور شاپنگ سنٹروں کی الماریوں میں سجی سجائی خراب ہوئیں لیکن ان لوگوں نے اس وجہ سے نہیں خریداریں کہ برونائی میں اسلامی قوانین کا نفاذ کیوں کیا۔ یہ اس بے دین اور کافر قوم نے ایک سوچ کے تحت ان مسلمان ممالک کا بائیکاٹ کیا تھا۔

مندرجہ بالا واقعات کے تناظر میں جب مسلمانوں کے دردمند دانشوروں نے اہل کفر ممالک کی مصنوعات کے بائیکاٹ کا اعلان کیا۔اس اعلان کے بعد عام دنیا دار مسلمانوں کو چھوڑتے ہوئے دیندار لوگ،ملکوں میں تبلیغی چلے کاٹنے والے امیر صاحبان اور علماء کو دیکھا

گیا کہ انتہائی بے احتیاطی سے ان سب چیزوں کو استعمال کر رہے ہیں اور ساتھ تبلیغی امیر صاحبان کا جواب یہ تھا کہ لوگ بے نماز مر رہے ہیں اور ان کو پیپسی پینے نہ پینے کی فکر ہے۔

یہاں پر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا وہ مشہور فتویٰ جو انہوں نے دیا تھا جب فلسطین کے ناسمجھ، سست، عیاش اور بے راہ رو مسلمانوں نے یہودیوں پر اپنی زمینیں بیچنی شروع کر دی تھیں۔ وہاں کے دردمند اور سمجھدار مسلمانوں نے اس کے بارے میں بہت چیخ و پکار کی اور ایک استفتاء جامعۃ الازہر سے کیا اور ایک دارالعلوم دیوبند سے۔ دیوبند والوں نے یہ استفتاء حضرت تھانویؒ کے پاس بھیجا۔ حضرت تھانویؒ نے اپنی فہم و فراست کی بناء پر فرمایا کہ یہودی آج منہ مانگی قیمت پر فلسطین کی زمینیں خرید رہے ہیں تو کل کو یہ یہاں پر اپنی ریاست کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ لہٰذا مسلمان کا یہودی کے ہاتھ زمین فروخت کرنا جائز نہیں۔ جب کہ جامعۃ الازہر والوں نے غیر مسلم کے ساتھ خرید و فروخت کے جواز کی بناء پر سادہ سا فتویٰ دے دیا کہ فلسطین کے مسلمانوں کا یہودی کے ہاتھ زمین فروخت کرنا جائز ہے۔ اہل فلسطین نے معمولی دنیاوی مفاد کی خاطر الازہر والوں کے فتویٰ پر عمل کیا اور حضرت تھانویؒ کے فتویٰ کو چھوڑ دیا۔

یہ فتویٰ ۱۹۱۶ء میں دیا گیا۔ اس کے ٹھیک ۳۲ سال بعد ۱۹۴۸ء میں فلسطین میں اسرائیلی ریاست بن گئی۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا

کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

ایک اصلاحی خط

(جناب شیرین صاحب، کوہاٹ)

محترم ومکرمی جناب حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

عرض یہ ہے کہ بیعت سے پہلے تو جب ہم جب گھر میں داخل ہوتے تو کیا مجال کہ عورت ہمارے سامنے آنکھ اٹھا کر بات کرے۔ لیکن بیعت کے بعد چونکہ ہم نے نرمی شروع کی تو انہوں نے الٹا اثر لیا اور اب ہم بے اثر ہوگئے ہیں۔ بات بات پر ڈانٹ ڈپٹ اور تو تکارتی رہتی ہے اور درمیان میں یہ دھمکی بھی دیتی ہیں کہ شیخ صاحب سے تمہاری شکایت کریں گی۔ چارو ناچار صبر ہی کرتے ہیں۔

جواب۔ اس صبر کا اللہ اجر نصیب فرمائے۔

حضرت جی زندگی کے ہر ہر قدم پر آپ کی تعلیمات الحمدللہ میرے لئے سورج کی روشنی سے زیادہ روشنی پیدا کررہی ہیں۔ آج ہی کا واقعہ ہے یعنی ۱۲ جنوری ۲۰۱۸ء کا۔ بینک میں میرا ایک چیک سترہ دن سے مطلوبہ برانچ تک نہ پہنچ سکا۔ میں معلومات لینے گیا تو انہوں نے مجھے ہی قصوروار قرار دیا اور ساتھ ہی میری باشرع اور مسکین صورت دیکھ کر دبانے کی کوشش بھی کی۔ میں نے کچھ دیر خاموشی اپنالی اور دل ہی دل میں دعا کی کہ یا اللہ میں نے تو سارے قانونی تقاضے پورے کئے تھے، پھر بھی میں مظلوم، میں کیا کروں۔ مینجر صاحب نے کہا: ''جاؤ! دو مہینے تک بھی لوگ انتظار کرتے ہیں، آپ کے تو ابھی سترہ دن ہی تو ہوئے ہیں۔'' اس پر اللہ پاک نے میرے منہ سے اس طرح جملے ادا

کرائے کہ مینجر صاحب میں اس صوبے کا رہائشی ہوں، مجھے صوبائی حکومت نے معلومات تک رسائی کا حق دیا ہے۔ آپ تحقیق کرلیں اور مجھے وہ تمام معلومات فراہم کریں جو میرے چیک سے متعلق تھے اور مجھے وجہ بتائیں کہ سترہ دنوں میں وہ کونسی بات تھی کہ میرا چیک مطلوبہ برانچ تک نہ پہنچ سکا۔ جس پر ان کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور بلند پروازی زمین دوز ہوگئی اور معافیاں مانگنے لگے۔ میں نے حضرت آپ کو دعا دی کہ یا اللہ حضرت جی کے مال اولاد سب میں برکت ڈال دیں اور ان کا سایہ ہمارے سروں پر قائم و دائم رکھیں۔ متعلقہ عملے کو اللہ پاک کی رضا کیلئے معاف کر دیا کیونکہ میرے چیک پر انہوں نے کاروائی ہی نہیں کی تھی اور ڈاک کے حوالے ہی نہیں کیا تھا جو کہ ان کی بہت بڑی غلطی تھی۔

جواب۔ اللہ کا شکر، اللہ نے آپ کی مدد کی۔ اپنے حقوق کے بارے میں ان اداروں میں ایسے ہی کرنا چاہئے تاکہ ان کا رویہ جگہ پر آئے اور یہ عوام کو پریشان کرنا چھوڑیں۔

حضرت جی الحمدللہ میں سلسلے کی دو ہفتہ وار تعلیموں میں بلا ناغہ شرکت کرتا ہوں اور رضا کارانہ طور پر اپنی موٹر سائیکل پر علامہ محمد طفیل کوہاٹی صاحب کو بھی لاتا اور واپس لے جاتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ یا اللہ اس عمل کو آخرت کا ذخیرہ بنا۔

جواب۔ اس سے بندہ کا دل آپ سے بہت خوش ہے۔

ڈاکٹر فہیم صاحب کے عمرے پر جانے کی وجہ سے میڈیکل کالج کے طلباء اور مولانا فضل مالک صاحب سمیت علامہ صاحب کے درس میں بیٹھنے کی اللہ نے توفیق دی اور لانے لے جانے کی ذمہ داری بھی میری تھی۔ درس کی خاص بات یہ تھی کہ مولانا صاحب نے میڈیکل کالج کے طلبہ کے سوالات (ریشنلزم، فرائیڈ، گانتھ اور مغربی و یونانی فلسفہ) کے مدلل اور ٹھوس اقدامی رد والے جوابات

دئے جو آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ کیونکہ اس وقت دنیاوی علوم سے لیس ڈاکٹر اور طلباء مجھے علامہ صاحب کے سامنے ایسے لگ رہے تھے گویا سمندر کے سامنے ایک نہر۔ ان چار درسوں میں علامہ صاحب نے ایسے بیانات کیئے کہ علماء، طلباء اور اساتذہ انگشت بدنداں رہ گئے۔ بیانات مکمل باحوالہ ہوا کرتے تھے اور آخر میں تصوف سے متعلق جامع بحث ہوا کرتی تھی۔

جواب۔ اللہ کا شکر ہے۔ اللہ تعالیٰ طفیل صاحب کے علم سے کام لے گا۔ یہ بیانات لکھے ہوئے ہوں تو انہیں شائع کریں گے۔

حضرت جی آپ بھی میرے لئے دعا کریں کہ اللہ پاک اس سعی کو قبول فرمالیں اور ہمارے لئے سرمایہ آخرت بنادیں۔

جواب۔ آمین۔

حضرت جی ایک ساتھی اکثر مجھے تنگ کرتا تھا۔ بچپن کا دوست تھا۔ پھر تبلیغ میں چلا گیا۔ بیرون ملک کے سفر بھی ہوئے ہیں۔ وہ اور اس کے چند اور دوست کہتے تھے کہ کب تک کونے میں بیٹھ کر اللہ، اللہ کروگے۔ انفرادیت چھوڑ کر اجتماعیت کی طرف آجاؤ۔ میں نے ان کو بہتیرا سمجھایا کہ بھائی یہ سلاسل صوفیاء کی ترتیب ہے۔ میں تو خود بڑا گنہگار ہوں۔ آپ ہر وقت یہ مذاق وغیرہ نہ کریں۔ کہیں گرفت میں نہ آجائیں۔ وہ اور اس کے ساتھی ہنستے تھے۔ ایک دن جمعہ کا مبارک دن تھا، اپنی سوچوں میں گم، سلسلے کا بیان سننے جا رہا تھا کہ اس تبلیغی ساتھی کا فون آیا اور سلام کے بعد وہی مذاق کرتے ہوئے کہا: ''او انفرادیت والے!'' حضرت جی! اس وقت مجھے سخت تکلیف ہوئی اور اللہ پاک سے دعا کی کہ یا اللہ! یہ آدمی تو اب تمام حدیں عبور کر رہا ہے، تو ہی اس کو سمجھا۔ چند دن بعد ہی اس کے کاروبار میں

طوفانی نقصانات شروع ہو گئے۔ چھ ماہ میں وہ اوران کا گروہ چھ کروڑ کا مقروض ہو کر پچھلے تقریباً دو مہینے سے روپوش ہے۔ میں اب ان کے لئے دعائیں کرتا ہوں کہ اللہ ان کے ساتھ عافیت کا معاملہ فرمائے۔ان کو پیغام بھی دیا ہے کہ ہمارے سلسلے میں آجاؤ، امید ہے خیر ہو جائے گی۔

جواب۔ تبلیغ ان کے لئے اجتماعیت ہے اور ہمارے لئے انفرادیت ہے کیونکہ ہم وہاں نہ جائیں تب بھی وہ کام چلتا رہے گا، جبکہ ہم اپنے سلسلے کا کام نہ کریں تو یہ کام تو بند ہو جائے گا۔ان کی طرح ہمارا کام بھی انفرادی، اجتماعی اور عالمی ہے۔ یہ ان کو بتا دیں۔ پھر ان کو دعوت دیں کہ تبلیغ کے کام میں تربیتِ عام ہے، تربیتِ تام نہیں ہے۔ بیعت اور تربیتِ تام کے بغیر ضروری دین آپ سے رہ رہا ہے۔ جو آپ کے ہاں زیرِ بحث ہی نہیں ہے۔ پرائمری سکول والا اپنی کروڑوں کی تعداد پر فخر کرتے ہوئے ہزاروں کی تعداد والی یونیورسٹیوں پر اعتراض کرے اور خود کو ہی عقلِ کل سمجھے تو بتائیں اس کو کتنا نقصان ہوگا۔ اِن کی یہ باتیں حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات، سوانح عمری اور حضرت جی مولانا یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی تقاریر میں کہیں بھی نہیں آئی ہوئیں۔ حضرت مولانا الیاسؒ ایک متبحر عالم اور ایک محقق صوفی تھے۔ ان کے اصولوں اور وصیت میں یہ بات ہے کہ چار مہینے لگانے والے اپنی زندگی علماء سے مسائل پوچھ پوچھ کر گزاریں اور کسی کامل شیخ سے بیعت ہو کر اپنی تربیتِ تام (مکمل تربیت) کرائیں۔ ان دو باتوں کے نظر انداز ہونے کی وجہ سے معاملات اور معاشرت میں جن حضرات کا تبلیغ والوں کے ساتھ نباہ ہوا ہے تو ان کو تجربہ ہوا کہ چلّوں میں اتنی کوشش کرنے والے حضرات کا رویہ عام لوگوں سے بھی کمزور ثابت ہوا۔ اپنے اس کمزور دین کے بارے میں معلومات ہی نہ ہوں، بلکہ یہ تصور ہو کہ سب سے اونچی پرواز پر میں ہوں، تو اصلاح کی کیا صورت ہو سکے گی؟

حضرت جی چند دن پہلے اپنے دفتر میں بیٹھا تھا کہ اچانک چند بزرگ لوگ ہمارے دفتر میں آئے۔ یہ مختلف محکموں سے ریٹائرڈ لوگ تھے۔ مجھے انتہائی محبت سے سینے سے لگایا کہ بیٹا ہم جدھر جاتے ہیں پراپرٹی کے کام میں درویش کی ہی تعریف سنتے ہیں۔ (بندہ کے ادارے کا نام درویش پراپرٹی ڈیلر ہے)۔ ہم صرف ملاقات کرنے آئے ہیں اور ہم وہ لوگ ہیں کہ اچھے عہدوں سے ریٹائر ہوئے لیکن مکان بنا کر مکمل کرنے کے حالات ہی نہیں ہیں۔ مکان کا ڈھانچہ کر کے ہی اس میں رہ رہے ہیں۔ جب ان کے ساتھ ہم گئے تو واقعی ان کے پلستر وغیرہ نہیں ہوئے تھے۔ بڑے پیارے لوگ تھے۔ بہت دعائیں دیں۔ میں نے ''اصلاحِ نفس'' اور ایک غزالی رسالہ تحفے میں دیا اور ان کو بتایا کہ میں تو ایک بے تکا آدمی تھا۔ اللہ پاک نے بیعت اور صحبت نصیب فرمائی جس سے حال بدلا۔ اللہ پاک مزید دین پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ میں تنہائی میں سوچ میں ڈوب گیا کہ بیعت سے پہلے ہر صبح اس انتظار میں ہوتے تھے کہ کسی طرح کوئی شکار پھنس جائے، چاہے کچھ بھی ہو جائے پر ہمیں فائدہ ملے۔ اسی سوچ میں بہتے آنسوؤں کے ساتھ آپ کو ڈھیر ساری دعائیں دیں اور منہ سے ایک چیخ نکل گئی۔ پھر کافی دیر تک عجیب خاموشی میں بیٹھا رہا۔ اب یہ دن آ گیا کہ لوگ ملاقات کے لئے آ رہے ہیں۔ واہ حضرت جی! آپ نے سنگ پارس اور کیمیا سے بھی ہزار گنا قیمتی ترتیب بتا دی۔

ایک زمانے میں جب لوگ میرا نام لیتے تو ساتھ میں کہتے کہ وہ گنڑ کپ شیرین (یعنی دھوکہ باز شیرین) جبکہ آج یہ وقت ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ درویش شیرین۔ حضرت جی! مجھے اپنی خصوصی دعاؤں میں یاد رکھیں کیونکہ لوگوں کا مجھ پر اعتماد کرنا تو آسان لیکن ان کے اعتماد پر پورا اترنا بڑا ہی مشکل ہے۔ اور ہمارے کام میں تو ہر وقت لالچ، حرص، پیسے کی ریل پیل (بقیہ صفحہ نمبر ۱۸ پر)

ایک خط

(ڈاکٹر ظہور صاحب، امریکہ)

Dear and respected and very revered Sir,

Astsalam Alaikum,

Although I am under stressful condition, but I find it a blessing as I have learned so much about tasawwuf. In fact when I went through your website Darwaish.org, I was just lost at my loss of time that I suffered. I wish I could have investigated the website a long time ago.

I have started books of first-stage (Daraja-e-awwal). However, a brother came from India (Aligarh Muslim University) to US to present his physics research paper in our city. I met him in Masjid and we took him with us for three days (seh-roza). In those three days, he was the real deciple of Hazrat Thanvi (r.a) and Hazrat Jee Molana Inam-ul-Hasan (r.a) and I learned from him the importance of Islah-e-nafs

and the need for Tazkiya. Tableegh is not enough. This will just put importance of deen. Tazkiya is very important. I have come to the conclusion that I need to get official Bayat from you, Sir.

You have been my teacher, murabbee, khairkhwah and you put your hand of affection and care upon my head when I was your student in first and second year MBBS back in 2000-2001. After I stood first in the whole province in the first professional examination, I lost you, infact, I lost myself, I lost every thing. Despite the fact that I continued to acheive distinctions but I knew I had lost something special.

I cannot wait that long for me to come to Peshawar for Bayat. The sooner I get Bayat the sooner I will come under the shade of rahmat of Allah Ta'ala.

Please advise, Sir.

JazakAllah Khayr.

Answer: You can join Silsila while being in America. Offer

Two Rak'at Nafil and Say the wordings you have been told. After that start following the Teachings of Silsila, you will start feeling that your life is changing and you are getting the benifits of Silsila-e- Bayat.

ترجمہ

محترم، معزز اور بہت ہی گراں قدر جنابِ عالی!

السلام علیکم

اگر چہ میں آج کل پریشان کن حالات میں ہوں، لیکن پھر بھی میں اس بات کو غنیمت سمجھتا ہوں کہ میں تصوف کے بارے میں کافی کچھ جان گیا۔ درحقیقت جب میں نے آپ (حضرت ڈاکٹر صاحب دامت برکاتہم) کی ویب سائٹ(darwaish.org) کا مطالعہ کیا تو مجھے اپنے ضائع کئے ہوئے وقت کا شدت سے احساس ہوا اور یہ آرزو کی کہ کاش میں اس ویب سائٹ کو بہت پہلے دیکھ چکا ہوتا۔

میں نے درجہ اول کی کتابیں شروع کر دی ہیں۔ ایک مسلمان بھائی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے اپنا طبیعیات کا تحقیقی مقالہ پیش کرنے (Research Paper of Physics) امریکہ میں ہمارے شہر میں آیا۔ میری ان سے مسجد میں ملاقات ہوئی اور ہم ان کو اپنے ساتھ تبلیغی سہ روزہ کے لئے لے گئے۔ ان تین دنوں میں وہ حضرت تھانویؒ اور حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ کے حقیقی شاگرد نظر آئے اور مجھے ان سے اصلاحِ نفس اور تزکیہ کی اہمت کا

پتہ چلا۔صرف تبلیغ کافی نہیں ہے۔ یہ محض دل میں دین کی اہمیت اجاگر کرتی ہے جبکہ اصل چیز تو تزکیہ ہے۔حضرت میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ آپ سے باقاعدہ بیعت ہو جاؤں۔

آپ میرے استاد، مربی اور خیر خواہ ہیں اور آپ نے اپنا دستِ شفقت میرے سر پر دورانِ تعلیم خیبر میڈکل کالج میں ۲۰۰۱ء۔۲۰۰۲ء میں رکھا۔ جب میں پورے صوبے میں میڈیکل کے پہلے پیشہ ورانہ امتحان (Professional Examination) میں پہلے نمبر (First Position) پر آیا تو میں نے آپ کو کھودیا۔ درحقیقت میں نے اپنا آپ کھودیا بلکہ اپنا سب کچھ کھودیا۔اس کے باوجود کہ اس کے بعد میں دنیاوی امتحانات میں نمایاں کامیابیاں لیتا رہا لیکن مجھے احساس تھا کہ میں کوئی خاص شے کھو چکا ہوں۔

میں بیعت ہونے کے واسطے پشاور آنے کا انتظار نہیں کرسکتا۔جتنی جلدی میں آپ سے بیعت ہوں گا اتنی جلدی میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سائے میں آجاؤں گا۔

آپ کی ہدایات کا منتظر۔

جزاک اللہ خیراً۔

جواب:

آپ امریکہ میں رہتے ہوئے بھی سلسلے میں شامل ہو سکتے ہیں۔دو رکعات نفل پڑھ کر وہ الفاظ منہ سے ادا کریں جو آپ کو بتائے گئے ہیں۔اس کے بعد سلسلہ کی ترتیب پر عمل کریں۔آپ محسوس کرنا شروع کر دیں گے کہ آپ کی زندگی تبدیل ہو رہی ہے اور آپ کو بیعت کے فوائد حاصل ہو رہے ہیں۔

ایک مجلس کی روداد

(جناب خوشحال صاحب، نائب منتظم خانقاہ، پشاور)

مولانا اشرف اللہ صاحب، حضرت ڈاکٹر صاحب کے مخلص مرید، نوجوانی میں وسعتِ مطالعہ اور گہرے علم کے مالک، ہنس مکھ اور مسلمانوں اور اسلام کے درد سے معمور قلب کے مالک ہیں۔ مولانا صاحب کی خانقاہ آمد اور ان کی حضرت ڈاکٹر صاحب سے دورانِ مجلس گفتگو تو معلومات کا بیش بہا خزانہ اور لطافت وظرافت کے پیرائے میں دلچسپی کا پورا سامان لئے ہوئے ہوتی ہے۔ مولانا صاحب تبلیغی مقاصد کے سلسلے میں کئی ملکوں کے سفر کر چکے ہیں۔ مولانا اشرف صاحب ۲۲ فروری ۲۰۱۸ء جمعرات کو خانقاہ آئے۔ بعد از نماز عشاء و تعلیم مولانا اشرف صاحب نے ڈاکٹر صاحب سے عرض کی کہ جب ہم ایران تبلیغی سفر کے لئے گئے ہوئے تھے تو وہاں یہ بات ہم نے بطورِ خاص دیکھی کہ ان کے سب دفتری کام اور خط و کتابت فارسی میں تھے جبکہ انگریزی وہ لوگ جانتے بھی نہ تھے۔ اس طرح چین کے لوگ اپنی قومی زبان استعمال کرتے ہیں جبکہ فرانس کے لوگ اپنی زبان پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ صرف پاکستان ہے جہاں لوگوں نے اپنی قومی زبان اردو کو چھوڑ رکھا ہے اور انگریزی سے چمٹے ہوئے ہیں بلکہ اس پر فخر کرتے ہیں۔

حضرت ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ اب تو بات یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ لوگ بات چیت کے دوران افعال (Tenses) کے علاوہ سارے الفاظ و لغات انگریزی کے استعمال کرتے ہیں۔ اگر یہی حال رہا اور لوگوں کا ذوق اسی جانب رہا تو وہ وقت بھی آجائے گا کہ

ادیب اوراہل قلم بھی اپنی تحریروں میں یہی انگریزی زدہ زبان استعمال کریں گے۔ کیونکہ عام لوگ اس کے علاوہ تحریر کے مقاصد کو سمجھنے اور اس سے لطف اٹھانے کے اہل نہیں ہونگے۔ حضرت نے فرمایا کہ زبان کی تبدیلی ایک ارتقائی عمل (Evolutionary Process) ہے اور یہ تبدیلی خود بہ خود پھیلتی ہے۔ علماء بھی بیانات میں انگریزی کے الفاظ استعمال کرتے ہیں اور ان پر فخر کرتے ہیں۔ خیبر میڈیکل کالج میں ایک دفعہ ایک عالم بیان کے لئے آئے تھے۔ انھوں نے انگریزی کا ایک لفظ بھی نہیں بولا اور اپنا پورا بیان پشتو میں نہ صرف پورا کیا بلکہ منطقی اور فلسفیانہ انداز میں سامعین کو بہت متاثر کیا۔

حضرت نے مزید فرمایا کہ جب ہم افغانستان تبلیغی چلّے کے لئے گئے تھے تو وہاں بھی لوگ ہر بات پشتو میں کرتے تھے اور انگریزی زبان کا کوئی لفظ استعمال نہیں کرتے تھے۔ ہم نے ایک بندے سے قندوز کا پتہ پوچھا تو اس نے دوسرے سے کہا کہ ان کو سفری نمائندے (ٹریول ایجنٹ) کے پاس لے جاؤ۔ اس نے ٹریول ایجنٹ کا لفظ استعمال نہیں کیا۔

جس قوم کی زبان ختم ہو جاتی ہے اور جس قوم کا لباس ختم ہو جاتا ہے وہ قوم ختم ہو جاتی ہے۔ آج سعودی اور خلیجی اپنے سروں پر رسیاں باندھے اور ٹخنوں تک لمبا کرتا جو دونوں جانب سے چاک نہیں ہوتا، اس میں آدمی دوڑ نہیں سکتا نہ ہی چھلانگ لگا کر گھوڑے پر سوار ہوسکتا ہے، پہنے ہوئے ہوتے ہیں۔ لارنس آف عریبیہ ان کو پرانی عرب تہذیب پر لے آیا ہے اور ان کو اسلامی تہذیب سے ہٹا لیا ہے۔ جبکہ صحیح اسلامی لباس حضور اقدس ﷺ کی سنتِ مستمرہ ہے۔ کاش یہ سعودی اور خلیجی صحیح اسلامی تہذیب اور روایات پر آجائیں۔

☆☆☆☆☆